

عرف و عادت کا شرعی احکام میں اعتبار

مولانا مفتی نعمت اللہ حقانی

استاد جامعہ المرکز الاسلامی بنوں

فہرست ذیلی عنوانات مقالہ

- (1) تمہیدی کلمات
- (2) عرف کا لغوی مفہوم
- (3) عرف کا ثبوت
- (4) تسامح
- (5) روایت کی تعدیل
- (6) عرف کی شرعی حیثیت
- (7) عرف کا فقہاء کے ہاں اعتبار
- (8) عرف کی تبدیلی کے چند نظائر
- (9) سوال و جواب
- (10) عرف کا اعتبار کب؟
- (11) عرف کی اقسام
- (12) عرف کی تبدیلی سے مفتی کو واقف ہونا چاہئے

تمہیدی کلمات :- حقیقت یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کی سب سے بڑی خصوصیت مسائل زندگی کی بابت عدل و اعتدال ہے، شریعت اسلامی کا مزاج یہ نہیں ہے کہ وہ وضعی قوانین کی طرح ہر روز اور ہر آن تبدیلی قبول کرتی رہے اور ایک بات خواہ کس قدر بھی نامعقول، مصالح اور اخلاقی قدروں کی مغائر ہو، لیکن اگر اس نے رواج کا درجہ حاصل کر لیا ہو، لوگ اس کو برتنے لگے ہوں تو اس کو بہر حال قبول کر لیا جائے۔ یہ مصالح انسانی کی رعایت نہیں بلکہ مفاسد کے سامنے سپر انداز ہونا ہے اور اسلام اس کی کسی طور پر اجازت نہیں دیتا تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو قانون زندگی کے ساتھ چلنا چاہتا ہو اور اپنی ابدیت، دوام اور استمرار کا مدعی ہو اس کیلئے ایک خاص حد میں سماجی روایات و رواجات اور عرف کو قبول کرنا ناگزیر ہے۔ چنانچہ فقہ اسلامی میں بہت سے احکام کی بنیاد عرف پر رکھی گئی ہے۔ قرآن و سنت، آثار صحابہ اور قیاس سے عرف و عادت کے معتبر ہونے کا ثبوت ملتا ہے اور اس کے معتبر ہونے پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔ درج ذیل مقالہ میں عرف کی اسی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے عام افادیت کے پیش نظر نذر قارئین ہیں۔

عرف کا لغوی مفہوم: عرف کا لغوی معنی ہے ادراک کرنا، کسی شے کو حواس کے ذریعے جاننا، اور اصطلاح میں متعارف علیہ الناس فی عاداتہم و معاملاتہم (القاموس الفقہی ص ۲۴۹) عرف وہ ہے جس پر لوگ اپنے عادات و معاملات میں عمل کرے۔ حنفیہ کے ہاں عرف ما استقرت النفوس علیہ بشهادة العقول و تلقته الطباع بالقبول (القاموس الفقہی ص ۲۴۹) وہ جو عقل کی گواہی سے دل اسپر جم جائے اور فطرت اس کو قبول کرے۔

عرف و عادت دونوں مصداق کے اعتبار سے ایک ہے تاہم مفہوم کے حوالے سے دونوں میں اختلاف ہے ان العادة مأخوذة من المعاودة فہی بتکرر معاودتها مرة بعد اخرى صارت معروفة مستقرة فی النفوس متلقاة بالقبول من غير علاقة ولا قرينة حتی صارت حقيقة عرفية فالعادة والعرف بمعنى واحد من حيث المصادق وان اختلفا من حيث المفهوم (رسائل ابن عابدین ص ۱۱۴) شرح التحریر میں لکھا ہے عادت نام ہے کسی کام کے عقلی رابطہ کے بغیر بار بار کئے جانے کا۔

عرف کا ثبوت :- شرعی مسائل میں عرف کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اور کئی مسائل کی بناء اسی پر رکھی گئی ہے۔ اور اس کو حجت مانا گیا ہے۔ علامہ ابن عابدین شرح عقود رسم المفتی اور علامہ مرغینانی نے ہدایہ باب الاجارة الفاسدة میں لکھا ہے (قال علیہ السلام مارأه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن) (شرح عقود ص ۹۴) جسکو مسلمان اچھا سمجھے وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے لہذا جب کسی عمل میں لوگوں کی عادت بڑھ جائے تو یہ اسکی جواز کی دلیل ہے۔

تساح :- اس حدیث کو بہت سارے فقہاء نے مرفوعاً آپ سے نقل کیا ہے لیکن علامہ جمال الدین زلیعی اس تساح کی تردید میں کھلے الفاظ میں فرماتے ہیں غریب مرفوعاً ولم اجدہ الا موقوفا علی ابن مسعود و له طرق (نصب الراية ۱۳۳/۴) یہ حدیث مرفوعاً غریب ہے میں نے اسکو نہیں پایا مگر عبد اللہ بن مسعود پر موقوف اور اسکے کئی طرق ہیں۔ ان طرق میں ایک

طرق مسند احمد میں امام احمد بن حنبلؒ نے ذکر کیا ہے عن عبد اللہ بن مسعود قال ان الله نظر في قلوب العباد بعد قلب محمد ﷺ فوجد قلوب اصحابه خير قلوب العباد فجعلهم وزراء نبيه يقاتلون على دينه فما راى المسلمون حسناً فهو عند الله حسن وما راى سيئاً فهو عند الله سيئ (عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے عباد کے قلوب کو دیکھا تو صحابہ کے دلوں کو دیگر عباد کے دلوں سے بہتر پایا، تو انکو اپنے نبی کے وزراء بنایا جو اللہ تعالیٰ کے دین کیلئے لڑے پس جسکو مسلمان اچھا سمجھے وہ اللہ کے ہاں اچھا ہے، اور جسکو مسلمان برا سمجھے وہ اللہ کے ہاں بھی برا ہے۔) (مسند احمد بحوالہ نصب الراية ۳۳/۴)

روایت کی تعدیل :- امام حاکم نے بھی اس روایت کو مسند احمد کے حوالہ سے ذکر کیا ہے بعد میں فرماتے ہیں (صحیح الاسناد لم یخرجه مستدرک للحاکم ۶۸/۳) حدیث صحیح الاسناد ہے اگرچہ شیخین نے ذکر نہیں کیا ہے۔ حافظ ذہبی نے مستدرک میں روایت کی تصحیح کی ہے۔ امام ابو داؤد الطیالسی نے اس روایت کو دوسرے طرق سے ذکر کیا ہے کچھ تغیر و تبدل کیساتھ ہی کی جگہ قبیح ہے اور مسلموں کی جگہ مؤمنون مذکور ہے (مسند ابو داؤد الطیالسی ۱۳۳) اگرچہ اس طریق میں مسعودی ہے جسکو امام زبیلیؒ نے ضعیف کیا ہے (نصب الراية ج ۴) لیکن روایت کی تائید کے لئے مسعود بن سکتا ہے۔

ازالہ :- فقہاء کرام نے اس کو مرفوعاً ذکر کیا ہے شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ یہ چونکہ عبد اللہ بن مسعود کا قول نہیں ہے اور اسمیں دلیل شرعی بھی ہے اسلئے صحابی کا ایسا قول اگرچہ مرفوع حقیقی نہیں لیکن مرفوع حکمی کے حکم میں ضرور ہے شاید مرفوع حکمی کی وجہ سے انھوں نے اسکو مرفوعاً ذکر کیا ہے۔

عرف کی شرعی حیثیت :- مذکورہ حدیث نے یہ ثابت کر دیا کہ جس اچھے اور غیر منصوص امر کو مسلمان اچھا سمجھے تو وہ عند اللہ بھی اچھا ہوتا ہے اسلئے انہی کی رائے کے مطابق دین کا ایک مسئلہ حل ہو سکتا ہے چونکہ انسانی فطرت اسکو آسانی سے قبول کرتی ہے اسلئے شریعت مقدسہ نے اس کو ایک اہم مقام عنایت فرمایا جبکہ بسا اوقات کسی مسئلہ کی جواز و عدم جواز میں اسکو بنیادی کردار ادا کرنے کا حق دیا ہے یہاں تک کہ کسی عرف کی تبدیلی سے حکم بھی بدل جاتا ہے۔ اس کی نظر آپ ﷺ کی وفات کے بعد فوراً نظر آنے لگے۔ چنانچہ جب دور صدیق اکبر میں مخالفین زکوٰۃ نے سر اٹھایا تو حضرت ابو بکر صدیق نے انکے خلاف جہاد کا حکم دیا صحابہ اولاً تو مخالف تھے لیکن پھر حالات نے انکو تائید کرنے پر مجبور کیا اس طرح جنگ یمامہ میں کافی تعداد میں قراء صحابہ کرام شہید ہوئے تو صحابہ کرام نے قرآن کو ایک جگہ جمع کرنے کا فیصلہ عرف و حالات سے مجبور ہو کر کیا۔ حضرت زید بن ثابتؓ خود فرماتے ہیں جب جمع قرآن کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی تو آپ نے دو ٹوک الفاظ میں اعلان کیا۔ (کیف تفعلون شیئاً لم یفعله رسول اللہ) لیکن عرف و حالات کی تبدیلی سے مجبور ہو کر آخر کار صحابہ کرام قرآن جمع کرنے پر آمادہ ہوئے اگرچہ رسول ﷺ کے زمانہ میں اس کا وجود نہیں تھا۔

حضرت عمرؓ نے بھی حالات کی تبدیلی کو منشاء اور بنیاد بنا کر جمع قرآن کی رائے دی حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں کئی ایسے نظائر موجود

تھے کہ بے شمار مسائل عرف کی روشنی میں حل کئے گئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب مسائل کی کثرت ہوئی تو فقہاء کرام نے ان کے حل کیلئے مختلف اصول وضع کئے ظواہر نے مسائل کا حل صرف کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور اجماع کے ظاہری الفاظ و معنی تک محدود رکھا دیگر مجتہدین نے اپنے اپنے صوابدید کے مطابق حالات کو گہری نظر سے دیکھتے ہوئے اصول مقرر کی کئے چنانچہ شوافع نے ان تینوں کے علاوہ قیاس اور استحسان الحال کو ضروری سمجھا۔ اور حنابلہ نے المصالح المرسلة اور الذرائع کے نام سے الگ الگ اصطلاحات قائم کئے اور احناف نے استحسان و عرف کو ان نئے مسائل کے حل کا ذریعہ سمجھا۔

قبولیت عرف کیلئے شرائط :- عرف و عادت مطلقاً مقبول نہیں۔ جو عرف عند الشرع مقبول ہو اس کو مادہ یعنی اصل کی حیثیت حاصل ہے۔ فقہاء کرام نے اس کے لئے چند شرائط ذکر کئے ہیں۔

- ۱۔ وہ عرف منصوص حکم کے معارض نہ ہو۔
- ۲۔ معاشرے میں اس کو ایسا مقام حاصل ہو کہ اس کا کرنا اشد ضروری ہو۔
- ۳۔ وہ عرف معاشرے میں عام اور غالب ہو۔
- ۴۔ اس حکم کے وقت وہ عرف موجود ہو۔ جس کو اصطلاح فقہ میں عرف مقارن بورود النص کہا جاتا ہے۔
- ۵۔ متعاقدین اس عرف کے خلاف کوئی معاہدہ یا شرط نہ لگائیں۔ (اسلام کے مبادی اصول ص ۱۹۱)
- نوٹ (الف) عرف عام سے حدیث اور قیاس کی تخصیص جائز ہے لیکن عرف عام کی وجہ سے نص کا بالکلیہ ترک جائز نہیں۔
- (ب) عرف خاص حدیث یا قیاس کیلئے تخصیص نہیں ہو سکتا۔ البتہ کسی قیاس یا حدیث کی تخصیص کئے بغیر اس پر عمل ہو سکتا ہے۔
- عرف کا فقہاء کے ہاں اعتبار :- اس لئے فقہائے کرام نے اس کو مسائل کے حل کیلئے فیصلہ کن چیز قرار دی ہے اور قاعدہ مقرر کیا کہ العادة محكمة عادت فیصلہ کن چیز ہے۔ اور علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ والعرف فی الشرع له اعتبار ولذا علیہ الحكم قد یدار شریعت میں عرف کا اعتبار ہے اسی وجہ سے کبھی اس پر حکم کا مدار رکھا جاتا ہے۔
- اور علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں کہ واعلم ان اعتبار العادة والعرف يرجع الیه فی الفقه فی مسائل كثيرة حتی جعلوا ذلک اصلاً فقالوا فی الأصول فی باب ما تترك به الحقيقة تترك الحقيقة بدلالة الاستعمال والعادة (الاشباه والنظائر ۶۹۵/۱) اور جان لو کہ بیشک عادت اور عرف فقہ کے بہت سارے مسائل میں انہی کی طرف رجوع ہوتا ہے حتیٰ کہ فقہاء نے اس کو مسائل کے حل کیلئے اصل بنایا۔ اور باب ما تترك به الحقيقة کے اصول میں اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ حقیقت کو استعمال اور عادت کے دلالت پر بھی ترک کیا جائے گا۔

عرف کی وجہ سے احکامات میں تبدیلی :- یہی وجہ ہے کہ جب احکامات کو صاحب مذہب نے اپنے زمانہ کے احوال پر بنیاد رکھ کر صراحتہً بیان کئے تھے وہ زمانہ بدلنے کے وجہ سے بدل جاتے ہیں چنانچہ علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں ثم اعلم ان كثيرا من الاحكام التي نص عليها المجتهد صاحب المذهب بناءً على ما كان في عرفه و زمانه قد تغيرت بتغير الزمان بسبب فساد اهل الزمان او عموم الضرورة كما قد مناه (شرح عقود رسم المفتي ص ۹۵)

اسی طرح رسائل ابن عابدین میں تغیر زمانہ کی وجہ سے احکام کی تبدیلی بیان کرتے ہوئے یوں لکھا گیا ہے قوله (فاعلم ان المتأخرين الذين خالفوا المنصوص في كتب المذهب في المسائل السابقة لم يخالفوه لتغير الزمان والعرف وعلمهم ان صاحب المذهب لو كان في زمنهم لقال بما قالوه مما يستخرج به الحق من ظالم او يدفع دعوى متعنت ونحوه بعدم سماع دعواه او بحبسه ونحوه) (رسائل ابن عابدین ص ۱۲۹ ج ۲ رسالۃ نشر العرف فی احکام العرف) اس کے بعد یہ بات جانی چاہئے کہ بہت سے وہ احکام جو صاحب مذہب مجتہد نے اپنے عرف اور اپنے زمانے کے احوال پر بنیاد رکھ کر صراحتہً بیان کئے تھے وہ زمانہ بدلنے کی وجہ سے بدل گئے ہیں اور زمانہ کی تبدیلی یا تو لوگوں میں بگاڑ پیدا ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے یا عام ضرورت پیش آ جانے کی وجہ سے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

عرف وعادت کے تبدیلی کے چند نظائر :-

العادة محكمة عادت حکم (فیصلہ) کرنے والی ہے۔ صاحب ایضاح القواعد فرماتے ہیں کہ اس قاعدہ کے اصل مداراہ المسلمون حسناً فهو عند الله حسن ہے۔ حافظ سخاوی نے القاصد الحسنہ میں لکھا ہے کہ اس کو امام احمد نے کتاب النہ میں حضرت ابن مسعودؓ سے موقوف روایت کیا ہے اور جن لوگوں نے اس کو مسند امام احمد کی طرف منسوب کیا ہے یہ ان کا وہم ہے۔ محبونی کہتے ہیں کہ یہ موقوف حسن ہے جس کی تخریج حافظ ابو نعیم نے حلیہ میں بیہقی نے الاعتقاد میں اور بزاز، طیلکی اور طبرانی نے بھی حضرت ابن مسعودؓ سے کی ہے فقہاء نے عادت کی دو قسمیں بیان کی ہیں کلی عادت اور بدلنے والی عادت۔ کلی عادتیں وہ ہیں جو کسی زمانہ اور کسی مقام میں نہیں بدلتی۔ جیسے کھانا پینا، سونا، جاگنا، خوشی، غمی، ملائم کی رغبت منافر سے تنفر، لذائذ کا استعمال اور ضرر رساں اشیاء سے پرہیز کرنا وغیرہ یہ چونکہ طبعی اور فطری میلانات ہیں اس لئے نہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی گنجائش ہے بدلنے والی عادتیں وہ ہیں جن میں مقام و زمانہ اور حالات کے لحاظ سے تبدیلی ہوتی رہتی ہے جیسے لباس کی وضع قطع مکان کی ساخت کام میں بنجیدگی وقاعت عجلت و تاخیر اور سختی و نرمی وغیرہ جیسے امور ہیں جس میں عادت کو حکم مانا گیا ہے چنانچہ فقہاء حالات و مقامات اور زمانہ کے لحاظ سے ان میں فیصلہ کا حکم دیتے ہیں۔ اور ایک جگہ کا حکم دوسری جگہ والوں پر مسلط نہیں کرتے۔ اور نہ ایک دور کے حکم کو ہمیشہ کیلئے واجب قرار دیتے ہیں۔ قاعدہ مذکور سے مستنبط ہونے والے چند مسائل یہ ہیں۔

- (1) باب طلاق میں صریح و غیر صریح الفاظ کی بابت جہاں جیسی عادت ہوگی اسکے مطابق فیصلہ ہوگا۔
 - (2) ایمان (قسموں) کی باب میں جو تفاوت ہوتا ہے ان کے تصفیہ میں عرف و رواج کا لحاظ ہوگا۔
 - (3) مختلف پیشہ وروں کے مقامات میں ہر پیشہ والے کی عادت کا اعتبار ہوگا۔
 - (4) مہر کا منجمل یا منوجمل ہونا اس جگہ کے عام دستور پر محمول ہوگا۔
 - (5) علامات بلوغ ظاہر نہ ہونے کی صورت میں بلوغ کی مدت مقرر کرنے کیلئے حالات و مقامات کا لحاظ ضروری ہوگا۔
 - (6) یوم شک میں اس شخص کیلئے روزہ کی اجازت ہوگی جو اس تاریخ میں روزہ رکھنے کا عادی ہو۔
 - (7) قاضی کیلئے اس شخص کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہوگا جو اسکو قاضی ہونے سے پہلے بھی ہدیہ دیتا تھا وغیرہ (مقدمہ غایۃ السعیۃ)
- چونکہ عرف و عادت کے مطابق فیصلہ اسی وقت ہوتا ہے جب نص صریح اس کے خلاف موجود نہ ہو اس لئے قاعدہ مذکورہ کے ساتھ ساتھ ایک دوسرا قاعدہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے اور وہ قاعدہ یہ ہے **العادة تجعل حکماً اذالم یوجد النصریح بخلافه** عادت کو اس وقت حکم کہا جائے گا جب اس کے خلاف تصریح موجود نہ ہو مثلاً ایک شخص نے کسی کے سامنے کھانے کا دسترخوان لگایا۔ اور صراحت کے ساتھ کہہ دیا کہ مت کھاؤ۔ تو یہاں عادت کا اعتبار نہ ہوگا۔

عرف و عادات کے تبدیلی کی وجہ سے صاحب مذہب کے قول سے مخالفت چند نظائر و امثال :-

جیسا کہ علامہ ابن عابدین نے صراحۃً بیان فرمایا کہ تغیر ازمنہ کی وجہ سے احکامات بھی بدل جاتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے تقریباً 22 مسائل ذکر کئے ہیں۔ جس میں تغیر و تبدل واقع ہو چکا ہے۔

۱۔ مثلاً تعلیم قرآن پر اجرت کے مسئلہ میں امام اعظم ابو حنیفہ سے اپنے عرف کے مطابق عدم جواز کا قول و فتویٰ مروی ہے لیکن تغیر حالات کی وجہ سے متاخرین نے جواز پر فتویٰ صادر فرمایا اور محققین نے اس رائے کو قبول کر کے مفتی بہ قرار دیا، حالانکہ فتویٰ امام ابو حنیفہ کی تصریح کے خلاف ہے۔ اسی طرح شہادت میں امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ گواہ کی ظاہری عدالت کافی ہے۔ اسکی تفتیش ضروری نہیں، لیکن متاخرین نے حالات اور ان کے تقاضوں اور لوگوں کی عادت پر نظر رکھ کر صرف ظاہری عدالت کو نا کافی سمجھا اور فتویٰ دیا کہ شاید کی ظاہری عدالت کافی نہیں بلکہ اسکی سر تفتیش کیا جائے محققین نے اس پر فتویٰ دیا ہے حالانکہ یہ فتویٰ صاحب مذہب کی تصریح کے خلاف ہے

۲۔ اکراہ کے مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ بادشاہ کے علاوہ کسی کی اکراہ معتبر نہیں، امام صاحب کا ارشاد اپنے زمانہ کے احوال پر مبنی ہے لیکن جب بگاڑ بڑھ گیا اور گورنمنٹ کے علاوہ سے بھی اکراہ شروع ہونے لگا، تو امام محمد نے اس کو بھی اعتبار دیا اور متاخرین نے عرف و حالت کے پیش نظر امام محمد کے قول کو مفتی بہ قرار دیا۔

۳۔ اسی طرح کاشتکار کو اس شرط پر زمین دینا کہ فصل کا دیکھ بال اسکی کٹائی اسکو تھریشر کرنا اور گندم وغیرہ کو صاحب زمین کے

گھرانہ وغیرہ کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ فصل کے پکنے تک جملہ ذمہ داری کا شکار پر ہے مگر پکنے کے بعد ذمہ داری دونوں پر عائد ہوتی ہے۔ امام قاضی ابویوسف نے حالات و عرف الناس کو دیکھ کر ان جملہ شرائط کو جائز قرار دیا۔ حالانکہ یہ فتویٰ صاحب مذہب کے عین خلاف ہے۔ لیکن متاخرین نے حالات کی وجہ سے اور تعامل کی وجہ سے قاضی صاحب کے قول کو رائج قرار دیا ہے اسکے علاوہ بھی کافی مثالیں ہیں۔

سوال: یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر عرف بار بار بدلتا ہو تو کیا احکامات بھی بدلتے رہینگے؟

جواب: علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں نعم فان المتأخرين الذين خالفوا المنصوص في المسائل المارة لم يخالفوه الا لحدوث عرف بعد زمن الامام فللمفتي اتباع العرف الحادث في الالفاظ العرفيه وكذا في الاحكام التي بناها المجتهد على ما كان في عرفه و تغير عرفه الى عرف اخر اقتداء بهم (شرح عقود رسم المفتی ص ۹۷) میں کہتا ہوں جائز ہے کیونکہ وہ متاخرین جنہوں نے مذکورہ بالا مسائل میں مصرح احکام کی مخالفت کی ہے وہ امام صاحب کے زمانہ کے بعد نیا عرف پیدا ہونے کی وجہ سے کی ہے، لہذا عرفی الفاظ میں مفتی نے عرف کی پیروی کرے گا اس طرح ان احکام میں جن کا مدار مجتہد ہے اپنے زمانے کے عرف پر رکھا ہے اور وہ عرف بدل گیا ہے اور نیا عرف پیدا ہو گیا ہے تو مفتی انہیں حضرات کی اقتداء میں نئے عرف کا اعتبار کرے گا۔

عرف کا اعتبار کب :- اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب بھی عرف معتبر ہو تو احکامات تبدیل ہونگے، علامہ ابن عابدین اسکے حل کے بارے میں فرماتے ہیں والحاصل ان العرف العام لا يعتبر اذ لزم منه ترك المنصوص. قال في الاشباة. العرف غير معتبر في المنصوص عليه. قال في الظهيره من الصلاة و كان محمد بن الفضل يقول السرة الى موضع نبات الشعر من العانة ليست بعورة لتعامل العمال في الابداء عن ذلك الموضع عند الاتزار وفي النزاع عن العادة الظاهرة نوع حرج و هذا ضعيف و بعيد لأن التعامل بخلاف النص لا يعتبر (رسائل ابن عابدین ص ۱۱۰) الغرض یہ تمام تر تغیر اس وقت ہے جب عرف عام سے منصوص حکم کا ترک کرنا لازم نہ آتا ہو اگرچہ تخصیص نص میں معتبر ہوگا، اور عرف خاص دونوں مواقع میں معتبر نہیں یعنی ہر جگہ عرف کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ جہاں ترک منصوص لازم آتا ہے وہاں عرف کو نہیں دیکھا جائے گا۔ جیسا کہ آجکل بیمہ، غیر شرعی ٹیکس، سود وغیرہ۔ اگرچہ عام ہو چکے ہیں اور ہر کس و نا کس اس میں مبتلا ہے لیکن پھر بھی اس عرف کی وجہ سے سود، غیر شرعی ٹیکس، یا قمار بازی وغیرہ حلال نہ ہونگے۔

عرف کی قسمیں :- علامہ ابن عابدین نے عرف کی دو قسمیں لکھی ہیں۔ ۱۔ عرف عام ۲۔ عرف خاص (شرح عقود رسم المفتی)

جبکہ علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے ہي انواع ثلاثة العرفيه العامة كوضع القدم و العرفيه الخاصة كاصطلاح كل طائفة مخصوصة (كالرفع للنحاة) والفرق والجمع والنقص للنظار والعرفيه الشرعية كالصلوة والنكاح والحج (الاشباہ والنظائر ۲۹۶/۱) عرف کی تین انواع ہیں عرف عام جیسے وضع قدم عرف خاص جیسے ہر گروہ کی اپنی مخصوص اصطلاح جیسے نجات کا رفع عرف شرعی جیسے نماز، زکوٰۃ، حج وغیرہ اگرچہ اس کا لغوی معنی کچھ اور ہے۔

مفتی کو صرف ظاہر مذہب پر فتویٰ نہیں چاہئے:- جیسا کہ گزشتہ بیان سے معلوم ہوا کہ عرف کا شرعی احکام میں کتنا دخل ہے، بلکہ علامہ ابن عابدین نے یہاں تک لکھا ہے من جہل بأہل زمانہ فہو جاہل (شرح عقود رسم المفتی) جو اپنے اہل زمانہ کے معاملات سے بے خبر ہے تو وہ جاہل ہے۔ اسی طرح قنیہ میں ہے لیس للمفتی واللقاضی ان یحکما علی ظاہر المذہب و یتروا لعرف و کذا قوله وهذا صریح فیما قلنا ان المفتی لا یفتی بخلاف عرف زمانہ (عقود رسم المفتی ص ۴۰۱) قنیہ میں ہے کہ مفتی اور قاضی کیلئے درست نہیں کہ عرف زمانہ سے صرف نظر کر کے صرف ظاہر مذہب پر فیصلہ دیں۔ اس سے صراحتاً یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مفتی اپنے عرف زمانہ کے خلاف فتویٰ نہ دیں۔

عرف کی تبدیلی سے مفتی کو واقف ہونا چاہئے:- قوله فللمفتی اتباع العرف الحادث فی الالفاظ العرفیة (ایضاً) مفتی کو چاہئے کہ وہ رسم و رواج زمانہ کی اپنے الفاظ عرفیہ میں رعایت کرے۔ اس کے علت ابن عابدینؒ نے یہ بیان کیا ہے قوله و ظہر لک ان جمود المفتی او القاضی علی ظاہر المنقول مع ترک العرف او القرائن الواضحة والجهل باحوال الناس یلزم منه تضييع حقوق كثيرة و ظلم خلق كثير (ایضاً ص ۴۱) جو کچھ عرض کیا گیا اس سے آپ پر یہ بات عیان ہو چکی ہوگی کہ اگر مفتی اور قاضی نے عرف عام اور قرائن واضحہ کو ترک کر دیا اور لوگوں کے حالات سے بے خبر رہا اور ظاہر پر جمار ہا تو پھر یقین کر لینا چاہئے کہ اس طرح بہت سے حقوق ضائع کرنا اور بہت لوگوں پر ظلم کرنا لازم آئے گا۔

اس لئے علماء فرماتے ہیں کہ قضاء کے مسئلہ میں قاضی ابو یوسف کے قول پر فتویٰ دینا چاہئے کہ وہ خود قاضی تھے اور اس قسم کے مسائل سے ان کا واسطہ پڑا ہے اور اس میں ان کو کافی تجربہ تھا۔ امام محمد کر دی کے بارے میں ابن عابدین نے شرح عقود میں لکھا ہے کہ امام محمد سگریز کے پاس جاتے تھے۔ اور ان سے ان کے معاملات کے بارے میں معلومات حاصل کرتے تھے۔ علماء کرام نے اس کی ایک مثال بیان فرمائی ہے۔

کہ اگر زمین والا اپنی زمین میں عمدہ چیز کی کاشت کی قدرت کے باوجود معمولی چیز بوئے تو اس کے ذمہ اعلیٰ کاشت کا محصول واجب ہے (ہدایہ)

اگرچہ ظاہر مذہب کے ہونے کی وجہ سے اس پر فتویٰ دینا چاہئے لیکن علماء کرام نے اس پر فتویٰ سے منع کیا ہے چنانچہ علامہ مرغنیانی فرماتے ہیں کہ هذا تعریف ولا یفتی بہ کسی لا یتجراً الظلمة، علی اخذ اموال الناس (ہدایہ علی صدر فتح القدر ۲۸۵/۵) اس مسئلہ کو جاننا چاہئے لیکن اس پر فتویٰ نہیں دینا چاہئے تاکہ ظالم لوگوں کے اموال لینے میں بے باک نہ ہو جائیں۔

اعتراض :- صاحب ہدایہ کے اس قول پر (ولذا یفتی بہ) اعتراض وارد ہوا ہے کہ اس میں کتمان ہے، اگر بالفرض وہ لے بھی، تو انہوں نے اس کو ظلم نہیں کہا ہے۔ انہوں نے وہ کچھ لیا جو کاشکاروں کے ذمہ واجب تھا۔

جواب صاحب عنایہ علامہ کمال الدین اس کے جواب میں فرماتے ہیں لو أفتینا بذلك لأدعی فی ارض لیس شانها ذالک انها قبل هذا كانت تزرع الزعفران فیما خذ خراج ذالک وهو ظلم و عدوان (العنایۃ علی ہامش فتح القدیر ۲۵/۵۱) اگر ہم یہ فتویٰ دیں گے تو ہر ظالم ایسے زمین کے بارے میں جو اعلیٰ درجہ کی نہیں ہے یہ دعویٰ کرے گا کہ اس میں پہلی مثال کے طور پر زعفران کی کاشت ہوتی تھی اور وہ اس کا محصول مانگے گا، اور یہ ظلم و زیادتی ہے۔

علامہ ابن ہمام بھی فرماتے ہیں وقالوا لا یفتی بهذا لما فیہ من تسلط الظلمة علی اموال الناس اذیدعی کل ظالم ان الارض تصلح للزراعة الزعفران ونحوه و علاجه مشکل (فتح القدیر ۶۸۵/۵) یہ فتویٰ دینے کی صورت میں ظاہر حکام مسلمانوں کے اموال پر مسلط ہو جائیں گے ہر ظالم دعویٰ کرے گا کہ یہ زمین زعفران اور اس جیسی چیزوں کے قابل ہے اور اس کا علاج دشوار ہے الغرض یہ بات واضح ہوئی کہ مفتی یا قاضی صرف ظاہر مذہب کی روایت پر اکتفا کرے اور نہ اسپر جمار ہے ایسا کرنے سے بہت سارے حقوق ضائع ہو جائیں گے اسلئے مفتی و قاضی کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے زمانے کے حالات اور عرف سے باخبر ہو۔

سہ ماہی ”المباحث الاسلامیہ“

”کے نگارش نگاروں کے خدمت میں چند نگارشات

سہ ماہی ”المباحث الاسلامیہ“ چونکہ خالص علمی، تحقیقی مجلہ ہے۔ محققین اور مضمون نگار حضرات سے درخواست ہے کہ اپنی تحریری کاوش ارسال کرتے وقت درج ذیل امور کو ملحوظ رکھیں

- (1) مضمون صاف اور کاغذ کے ایک طرف ہو۔
- (2) مضمون کسی دوسرے رسالہ، اخبار وغیرہ میں شائع نہ ہو۔ البتہ مزید اضافہ و ترمیم ہو تو اس کا حوالہ دے کر بھیجا جاسکتا ہے۔
- (3) سہ ماہی ”المباحث الاسلامیہ“ کا مضمون مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کے موافق ہو۔
- (4) علمی اور تحقیقی مضمون لکھتے وقت اس امر کا اہتمام ضروری ہے کہ قاری کو تحریری کاوش کے تاخذ اور مصادر سے آگاہ کیا جائے۔ اس مقصد کیلئے ضروری ہے کہ مضمون کے آخر میں ترتیب کے ساتھ حوالہ جات کا مکمل ذکر کیا جائے۔ اور اگر مناسب ہو تو مزید توضیحی نقاط کا اندراج بھی کیا جائے۔

درج بالا امور کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگر آپ سہ ماہی ”المباحث الاسلامیہ“ کے مستقل مضمون نگار یا مقالہ نگار بن سکتے ہیں تو ”المباحث“ کے صفحات آپ کیلئے حاضر خدمت ہیں۔

نوٹ :- سہ ماہی ”المباحث الاسلامیہ“ کے معیار کے مطابق زیادہ ترجیح اس مضمون کو ہوگا جو جدید سائنس سے پیدا شدہ مسائل کے حل کے متعلق ہو کیونکہ سہ ماہی ”المباحث الاسلامیہ“ کا اجراء اسی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ (ادارہ)